کھٹی میٹھی یادیں

بنتِ سحر

کاش.... کہ کبھی ایسا ہو سکتا کہ جس طرح مردہ تتلیوں اور سوکھے پھولوں کو ڈائریاں اپنے اندر مقید کر لیتی ہیں اسی طرح "یادوں" کو بھی کسی بوسیدہ کتاب میں بند کر دیا جاتا اور جب، جب دل اداس ہوتا تو رات کے دھند لکے میں — ہلکی روشنی میں انہیں پڑھا جاتا ہنسا جاتا... رویا جاتا... جیسے ہی میں نے زنگ آلود تالا کھولا گھر کے درودیوار سے لپٹی پھپھوندی زدہ ہوا کسی دباؤ کے تحت باہر نکلی تھی، اس ہوا میں زرد موسموں کی سی اداسیاں تھیں.... میں نے آنگن میں قدم رکھا تو دل کے اندر سے کہیں ہلکی سی ٹیس ابھری، موم بتی کے دم توڑتے شعلے کی طرح گول برآمدہ کی گولائی دائرہ در دائرہ گھومتی ہوئی آج بھی اپنی جگہ قائم تھی۔ تین ستون آج بھی اسی شان و شوکت سے ایستادہ تھے۔ آنگن میں لگا شہتوت کا قد آدم درخت خزاں کی زد میں آکر اپنا لباس اتار چکا تھا، مگر کئی زرد پتے ابھی باقی تھے۔ وسیع و عریض صحن میں لگا چمن کب کا اجڑ چکا تھا۔ اب وہاں ویرانیاں مقیم تھیں۔ شان و شوکت اور شاہانہ طرز سے.... وقت نے مجھے گھسیٹا اور ماضی کے بیس سالہ چکر میں — لا کھڑا کیا۔ زرد اور نارنجی دھوپ اتراہٹ سے آنگن میں قدم دھر رہی تھی.... ہواؤں میں خوشی کے رنگ تھے پرندوں کی آوازوں میں علی سازوں کا سا گمان گزرتا تھا.... میں بریانی میں چمچہ ہلاتے ہوئے خیالوں کی رت پر محو پرواز تھی.... اماں کی پاٹ دار آواز نے خیالوں کے طلسم کو چھناکے سے توڑا تھا۔

"اری او شکریہ خانم!... بریانی دیگچی سے لگنے نہ پائے ورنہ تیرے ابا تجھے تو کچھ نہ کہیں گے اور دنیا جہاں کے ساری مغلظات مجھے سنائیں گے جو ان کی دانست میں کافی شیریں اور شریفانہ — ہیں۔" میں بے دھڑک ہنستی چلی جاتی.... آنکھوں میں پانیوں کی محفل جم جاتی، شہادت کی انگلی کی پور سے آنسو صاف کرتے ہوئے اماں کو جواب دیتی۔

"اماں... اللہ جھوٹ نہ بلوائے سنا تھا، بھلے وقتوں میں جان دینے چلے تھے آپ کے پیچھے.... بھلا خودکشی کرنے کا سوچا بھی تو پتنگ کی ڈور گلے سے باندھ لی۔"

بیس سال کے عرصہ کو انگلیوں پر گننا کتنا آسان ہوتا ہے ناں.... کچن کے دروازے کا پینٹ ویسا ہی تھا کچھ بھی تو فرق نہ آیا تھا۔ اماں نے اسی پینٹ کے سلسلہ میں ابا سے لڑائی کی تھی۔ ابا سفید پینٹ کروانے کے حق میں تھے، مگر اماں کوئی گہرا رنگ کروانے پر مصر تھیں، جب کافی دیر تک

صلح، صفائی نہ ہوئی تو ثالثی کی طرف رخ کیا گیا تھا۔

"بھلا بتاؤ شکریہ! باورچی خانے کی دیواروں پر سفید رنگ اچھا لگے گا؟" اماں نے پوچھا تھا مجھے کوئی ایسا حل تلاش کرنا تھا جس سے دونوں فریقین کے دل میں بھڑکتے، پھڑکتے جذبات پر برف پڑ جاتی۔

"باہر کی دیواروں پر سفید رنگ کروالیں اور اندرونی دیواروں پر کوئی گہرا رنگ ٹھیک رہے گا۔" اور دونوں نے میری دانائی، فہم و فراست کو سراہا تھا۔

عصر کا وقت تھا' ہوا میں ہلکی ہلکی یادوں کی سرگوشیاں تھیں.... اماں' ابا کی میں اکلوتی لاڈلی اولاد تھی.... لڑکیاں تو ماں باپ کے آنگن کی چڑیاں ہوتی ہیں.... جنہیں دوسروں کے سپرد کرنا ہی پڑتا ہے' پھر دوسرے اس چڑیا کو اس طرح قید کرتے ہیں کہ واپسی کی امید ممکن ہی ہو جاتی ہے۔ ابا نے اپنی دوستی کے زعم میں مجھے اپنے پاکستانی دوست جو کہ لاس اینجلس میں مقیم تھے۔ کے بیٹے سے بیاہا تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ دولت خوشی نہیں دیتی' اصل چیز تو محبت اور عزت ہوتی ہے.... اور میں آج یہ گواہی دینے کو تیار ہوں کہ مجھے دیار غیر میں نہ عزت ملی تھی اور نہ ہی محبت نامی چیز کو میرے دامن میں ڈالا گیا تھا.... میں صابر بن گئی ان محنتوں کو کیسے رائیگاں ہونے دیتی جو اماں' صبح شام مجھ پر کرتی تھیں.... صبر میری گھٹی میں پڑا تھا' گھٹی میں پڑی ہوئی چیزوں سے بغاوت نہیں کی جاتی.... میں بھی نہ کر سکی چاہ کر بھی نہیں۔

☆ ☆ ☆

سیلی سیلی ہواؤں میں جانے کہاں سے نمی کا ظہور ہوا تھا.... سارے جسم و جاں میں کپکپی کسی موذی مرض کی سی اذیت سے وارد ہوئی تھی میں برآمدے کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں پہروں میں اور ابا مباحثہ کرتے تھے۔ اماں اکتا کر اٹھ جاتیں۔ اشفاق احمد' بانو قدسیہ' کرشن چندر سے لے کر ابوالکلام آزاد اور میر تقی میر تک بات چل نکلتی....

برآمدے کی سات سیڑھیاں تھیں.... مجھے اچھی طرح یاد ہیں' مگر میں نے انہیں پھر بھی گنا تھا۔ میرے پیچھے آہٹ سی ہوئی تھی۔ مجھے پتا تھا کہ ماہا ہوگی' میری بیٹی ماہا بالکل میری طرح ہے۔

"امی.... ! نانو اور نانا نے کتنی اچھی زندگی گزاری ہو گی ناں؟" وہ پوچھ رہی تھی اسے گزرے وقت کے اوراق پلٹ کر دیکھنے میں گہری دلچسپی ہے۔

"ہاں.... ان کی زندگی مکمل تھی ہر لحاظ سے.... دونوں میں لڑائیاں بھی خوب ہوتی تھیں' مجھے ثالث بنا دیا جاتا۔ اماں جب ناراض ہوتی تھیں تو انھی سیڑھیوں پر آکر بیٹھ جاتی تھیں.... بہت روتی.... تھیں اور ساتھ ساتھ چاند سے باتیں کرتی تھیں۔ شاید انہیں گفتگو کے بہت سے رموز آتے تھے.... ابا کو چاند اپنا رقیب لگا کرتا' وہ تلملاتے رہ جاتے۔ کھانا بھی نہ کھاتے مکمل ناراضی کا اظہار کرتے تھے' مگر صبح ـــــ پتا چلتا بات بات سے کھانا غائب اور ـــ اماں کہہ رہی ہوتی تھیں کہ کمبخت بلی آکر کھانا نوش فرما گئی۔ مگر ایک بات کہوں شاید ہم دونوں جانتے تھے کہ وہ "بلی" کون تھی.... مگر ہم ہمیشہ اس رائے پر قائم رہتے کچھ باتوں پر قائم رہنے میں ہی ان کا اصل حسن پوشیدہ ہوتا ہے۔"

سنہری دھوپ سی یادوں کا عکس میرے چہرے پر پھیلا تھا۔ ماہا برآمدے میں جا کھڑی ہوئی تھی اور کونے میں رکھے تخت کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ بیگ زمین پر ہی چھوڑ گئی تھی میں بھی بیگ تھامے برآمدے میں آ گئی۔

صنوبر کی خوشبودار لکڑی سے بنے اس تخت کا ایک پایہ ٹوٹ چکا تھا۔ میرے وجود کی دنیا میں افسردگی داخل ہو گئی تھی ماہا کہہ رہی تھی۔

"امی! یہ تخت کس لیے تھا.... اس پر کون بیٹھتا تھا؟"

"تمہاری نانو یہاں آرام کرتی تھیں.... کبھی کبھار میں اور ابا بھی اس پر بیٹھ کر گپیں ہانکنے لگتے تو اماں سخت غصہ ہوتی تھیں.... مگر شاید میں اور ابا مستقل مزاج

تھے، بہرے بن جاتے۔ ابا کہتے تھے ہم دونوں اس دنیا کے سب سے اچھے فنکار ہیں... تالیاں بجتیں... مسکراہٹوں کے تبادلے ہوتے... مگر اصل قصہ تو شام کے کھانے پر ہوتا تھا۔"

مجھے لگ رہا تھا آج بھی میں پرانے وقت میں کھڑی ہوں... آنسو آنکھوں میں محفل جمانے کے منتظر نظر آنے لگے تو میں نے انہیں بمشکل واپس دھکیلا... ماہا نے میرا ہاتھ پکڑا۔

"پھر کیا ہوتا تھا امی! پلیز بتائیں۔" اس کا تجسس عروج پر تھا۔

"پھر شام کو اماں بینگن کا بھرتہ بنالیتی تھیں... اسی طرح ہم سے بدلہ لیا جاتا' وہ جانتی تھیں کہ ابا اور مجھے بینگن کچھ خاص پسند نہ تھے... ابا کہیں سے اچار کا پیکٹ برآمد کرتے جو ہم نے ایسے حالات میں حفظ ماتقدم کے طور پر ——— چھپا رکھا ہوتا تھا... چٹخارے لے لے کر چپاتی کے ساتھ اچار کے مزے اڑائے جاتے... اماں تیکھی نظروں سے قتل کرنے کے درپے نظر آتیں اور ہماری طرف سے پیٹھ موڑ لیتی تھیں' جانے آج وہ اچار ملتا بھی ہے یا نہیں۔" میں نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

برآمدے کی چھت والا پنکھا مکھیوں کی بیٹ سے اٹا ہوا نظر آرہا تھا۔ اماں ——— تھیں تو مجال ہے جو گرد کا کوئی ذرہ بھی نظر آجاتا۔ مائیں سب سے بڑی نعمت ہوتی ہیں... کسی حریری کپڑے میں ملبوس فرشتہ کی طرح' مقدس اپسراؤں کی سی... میں نے اسٹور روم کا خطی دروازہ کھولا تھا... ابا نے اس دروازے کو خطی

دروازہ یوں کہا تھا کہ وہ دروازہ ایک کھو کھلی جگہ کے ساتھ تھا۔ جہاں خط اور بل وغیرہ رکھے جاتے تھے۔ فرش پر گرد کی طویل۔ چادر پھیلی ہوئی تھی۔ روشن دان بند تھے... کونوں میں جالے نظر آرہے تھے... مجھے لگا اہرام مصر کی کسی عمارت میں محبوس ہوئی کھڑی ہوں جہاں روشنی کا کوئی روزن ہی نہیں... میں آہستگی سے چلتی ہوئی دیوار گیر الماری کی طرف آئی تھی...

گرد پر میرے پیروں کے نشان نظر آنے لگے تھے... میرے پیروں سے اک رسی کا ٹکڑا ٹکرایا تھا۔ میں دیوانگی کے عالم میں دوڑتی ہوئی ماہا کی طرف باہر آئی تھی۔

"ماہا! یہ دیکھو... یہ جھولے کی رسی کا ٹکڑا ہے' پتا ہے یہ کیسے بنا تھا؟" وہ برآمدے کے فرش پر بیٹھی دھاتی ٹرنک کھولے دیکھ رہی تھی۔ میری طرف نظر اٹھائی تو میں نے دیکھا اس کے آئی میک اپ کا حشر ہو چکا تھا۔ وہاں اب گرد کی تہہ جم چکی تھی۔

"پتا ہے — یہ رسی میں نے اور ابا نے پرانے ہو چکے ادوان کو ادھیڑ کر بنائی تھی... پورے آٹھ دن لگے تھے اس کو بنانے میں... شام کی راجدھانی میں جب دودھیا چاند آسمان کی چوکھٹ پر وارد ہوتا... تو میں اور ابا جھٹ سے رات کا کھانا کھا کر دوبارہ رسہ بنانے لگ جاتے۔ اماں صلواتیں سناتی رہتی تھیں مگر شاید ان کی باتوں پر کان نہ دھرنا ابا کا محبوب مشغلہ تھا۔" میری ابھی بات بھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ ماہا چیختی چلاتی ہوئی مجھ سے لپٹ گئی۔

"امی... وہ دیکھیں میرے ہینڈ بیگ پر موٹی تازی چھپکلی بیٹھی ہوئی ہے ذرا آنکھیں دیکھیں اس کی' اف یہ تو دیکھ بھی میری طرف رہی ہے۔" وہ خوف سے تھر تھر کانپتی مجھ سے لپٹی ہوئی تھی... وہ موٹی تازی چھپکلی اس کے ہینڈ بیگ سے رینگ کر برآمدے کی سیڑھیوں کی طرف نکل گئی تھی... ماہا کی آنکھیں بند تھیں اور وہ باقاعدہ لرز رہی تھی۔ مجھے کسی نے اٹھا کر ماضی کے ست رنگی ماحول میں لا کھڑا کیا تھا... جہاں تتلیوں کے رنگ سنہری تھے... اور ہواؤں میں عطر کی

مہک تھی... میں جو کیمسٹری کے فارمولے رٹ رہی تھی اماں کو دیکھ کر حیران رہ گئی جو غصے سے لال ہو رہی تھیں۔

"تمہارے ابا اب اس گھر میں رہیں گے یا میں... بڑی چچی بنی پھرتی ہو باپ کی... کان کھول کر میری بات سن لو شکریہ خانم۔" وہ جب بھی غصہ میں ہوتی تھیں

میرا پورا نام لے کر پکارتی تھیں۔۔۔ میں ہکا بکا انہیں دیکھ رہی تھی۔

"مگر اماں ہوا کیا ہے۔۔۔؟" میں نے اِدھر سوال کیا اور اُدھر اماں پھٹ پڑیں۔

"ساری زندگی تمہارے ابا کو مجھ سے بیر رہا۔۔۔ انہیں پتا بھی ہے کہ اس وقت میرے ڈرامے کا ٹائم ہوتا ہے۔۔۔ چھپکلیوں والا چینل لگا کر چلے گئے' کہنے لگے ابھی اشتہار چل رہے ہیں کچھ دیر میں ڈرامہ آئے گا۔۔۔ گھڑی کی سوئیاں آگے بڑھیں ڈرامہ نہ لگا۔ سوچا گھڑی کے سیل خراب ہوگئے ہوں گے۔۔۔ کچھ دیر گزری چھپکلیاں' سانپ نظر آنے لگے۔۔۔ اگر آج میرا ہارٹ فیل ہوجاتا تو۔۔۔ کہہ دو اس شخص کو کہ یا تو وہ رہے گا اس گھر میں یا پھر میں۔" اماں کو چھپکلیوں سے بہت ڈر لگا کرتا تھا اب وہ ـــــ کانپ رہی تھیں۔۔۔ ابا غسل خانے سے باہر آئے تولیہ کندھے پر رکھا ہوا تھا۔

"چچ۔۔۔ ثریا خانم۔۔۔ اس وقت شام کے وقت آپ کہاں جائیں گی۔۔۔ صبح ہو لینے دیجیے پھر چلی جائیے گا۔" دھماکے سے ثریا خانم نے تن فن کرتے ہوئے دروازہ بند کیا تھا۔ میں نے ابا کو دیکھا وہ گنگنا رہے تھے اس کا مطلب کل صبح ناشتہ مجھے بنانا تھا۔۔۔ میرا تو ٹیسٹ بھی تھا۔ اس قیامت خیز دھماکے کی گونج سے اندازہ ہو رہا تھا کہ خاتون خانہ کافی غصے میں ہیں۔۔۔ صبح کا ناشتہ نہ ملنا یقینی بات تھی مگر غالب امکان تھا۔۔۔ دوپہر کے کھانے میں مجھے اور ابا کو بازاری چپاتیاں اور اچار کے چٹخارے لینے تھے۔۔۔ وقت نے میرے دامن میں یادوں کے بہت سے خزانے رکھے ہیں۔۔۔ میں بیتے دنوں کی پہیلیاں کھوجتی ماہا کو یقین دلا رہی تھی کہ اب کوئی چھپکلی نہیں آئے گی۔۔۔ اماں کی یاد بہت شدت سے آرہی تھی۔۔۔

نیم کی موٹی شاخ پر جھولا ڈالا گیا۔۔۔ میں ہر وقت کھاتے پیتے' پڑھتے اس پر جھولتی رہتی تھی۔ ابا بچپن سے مجھے اپنی سائیکل پر اسکول چھوڑنے جاتے تھے۔۔۔ سائیکل کی جوانی ڈھل چکی تھی اور بڑھاپے کی آمد آمد تھی۔۔۔ راستے میں یہ بات یقینی تھی کہ سائیکل کا چین چھ بار اترتا تھا۔۔۔ میں اور ابا باری باری چین چڑھاتے تھے۔ میرا یونی فارم خراب ہوجاتا تھا مگر ہم دونوں کو مطلق پروا نہ ہوتی تھی۔۔۔ اماں تھیں ناں کپڑے دھونے والی۔۔۔ صفائی' ستھرائی کی دلدادہ۔۔۔ راستے میں خوب باتیں ہوتی تھیں اتوار کے روز فٹ پاتھ پر لگنے والے کتابوں کے اسٹال پر گھنٹوں میں اور ابا کتابوں کی ورق گردانی کرتے رہتے تھے۔۔۔ وہیں روڈ پر کتابیں منتخب کرنے کے معاملے میں ہماری بحث چھڑ جاتی۔۔۔ ابا کو کرشن چندر اور اشفاق احمد کی کتابیں لینی ہوتی تھیں اور مجھے بانو قدسیہ اور مستنصر حسین تارڑ کی چاہ ہوتی تھی۔۔۔ بک اسٹال والے انکل ہم باپ بیٹی کی دھواں دھار بحث پر زیر لب مسکرائے جاتے۔۔۔ آخر کار دونوں کی پسند سے کتابیں لی جاتی تھیں۔۔۔ میں نے نویں کلاس میں مستنصر حسین تارڑ کی "پیار کا پہلا شہر" پڑھی تھی۔ آج تک میں اس اداسی کے حصار میں ہوں جو مجھے پہلی بار اسے پڑھنے پر ہوئی تھی' کیا لفظ تھے' اداسی کا احساس لفظوں میں ڈھل گیا تھا۔۔۔ میں نے اس دن "سنان" کو بہت برا بھلا کہا تھا۔۔۔ اور میں "پاسکل" کے ساتھ ساتھ روئی تھی۔۔۔ جس کسی نے بھی یہ کتاب نہیں پڑھی اس نے کچھ بھی نہیں پڑھا۔۔۔ میں ہر کلاس میں پوزیشن لیتی تھی۔۔۔ ہر سال میں رزلٹ والے دن تمغہ تھامے گھر میں داخل ہوتی تھی۔۔۔ ابا پر اس دن میری فرمائش پوری کرنا لازم ہوتا تھا۔۔۔ اماں اپنی خوشی کا اظہار کچھ خاص چیز پکا کر کرتی تھیں۔۔۔ ابا نے لکڑی کی الماری بنوائی تھی۔۔۔ اس میں میرے تمغے سجا دیے گئے۔۔۔ ہر صبح میں انہیں دیکھتے ہوئے اسکول جاتی تھی۔۔۔ پھر بچپن سے لڑکپن اور جوانی نے میرے گھر کے آنگن میں قدم رکھا۔۔۔ ابا کے دوست کے بیٹے کا رشتہ آیا تھا۔۔۔ ابا اور اماں نے ہامی بھرلی تھی۔ میں نے شور مچایا' دہائیاں دیں مگر میری کسی بات کو خاطر میں نہ لایا گیا۔۔۔ اس کے ایک ہفتے بعد رات کے تین بجے چاند کی گھٹتی روشنی میں میں نے ابا کو دیکھا۔۔۔ وہ رو رہے تھے بے تحاشا میں حواس باختہ سی بیٹھی تھی۔۔۔ وہ کہہ رہے تھے

"تیری ماں ہمیں چھوڑ کر چلی گئی۔۔۔ وہ نمانی وہاں چلی گئی جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔۔۔ ہمیں اکیلا چھوڑ گئی۔۔۔ کتنا لڑتی تھی ہم سے۔۔۔ ہم تنہا ہو گئے۔"
وقت نے ابا اور میرے وجود پر اداسیوں کی چادر اوڑھا دی۔ ایے دن چڑھتے تھے شامیں اترتی تھیں' راتیں ڈھلتی تھیں مگر وہ جو "کچھ" کھونے کا احساس تھا وہ ہمارے وجود میں سرایت کر گیا۔۔۔ اماں ہمیں اکیلا چھوڑ گئی تھیں۔۔۔ اب جھولا خالی۔۔۔ نیم سے لٹکتا رہتا۔۔۔ ابا اور میں نے خاموشی کو اپنا اوڑھنا' بچھونا بنا لیا تھا۔۔۔ مجھے وہ شعر اب سمجھ میں آیا تھا جس کی تشریح کے حوالہ سے میں اور ابا اکثر بحث کرتے رہتے تھے۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

میں نے گھر کی صفائی' ستھرائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔۔۔ اماں نے مجھے سینا' پرونا' کھانا پکانا' سب سکھایا تھا۔۔۔ انسان اکیلا کر جاتے ہیں' مگر ان کی یادیں ہمیشہ' ہر پل' ہر لمحہ زندگی کے سفر میں ساتھ ساتھ رہتی ہیں۔

لاس اینجلیس کی فضاؤں میں' میں انہی یادوں کے سہارے زندہ تھی۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو شکریہ خانم کب کی ختم ہو چکی ہوتی۔۔۔ زندگی جانے اب کس رنگ میں ڈھلنے والی تھی۔۔۔ آنگن کی چڑیاں پرواز کر جاتی ہیں' مگر یادوں کی پوٹلیاں سدا اپنے ساتھ ساتھ رکھتی ہیں۔ رات کے آخری پہر پورے چاند کی رات میں بابل کے آنگن کی یادوں پر ہنسا جاتا ہے۔۔۔ رویا جاتا ہے۔۔۔ اور پھر ٹھنڈی سانس بھر کر بیتے وقت کو کھوجا جاتا ہے' آنکھوں میں نمی کے ساتھ۔۔۔ ماہا میرے پاس کھڑی تھی۔

"امی ہم اب واپس نہیں جائیں گے۔۔۔ پاپا کی وفات کے بعد دادا نے ساری زندگی آپ سے کمائی کروائی ہے اور کھائی ہے۔ امی جانے لوگ کیوں بیٹیاں اتنی دور بیاہ دیتے ہیں۔۔۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔"
میرے شوہر کی موت نے مجھے توڑ دیا تھا۔ فاصلے اتنے بڑھ گئے تھے کہ میں ابا کی وفات پر بھی نہ آسکی تھی۔ لاوارثوں کی طرح انہیں دفنا دیا گیا تھا۔ میں نے ماہا کا سر تھپکا۔
"بیٹا جی' جانے کیوں بھولے والدین کو لگتا ہے کہ ان کی بیٹیاں دیارِ غیر میں خوش رہیں گی۔ ہر کسی کو لگتا ہے کہ دیارِ غیر میں پیسہ بہت ہوتا ہے' مگر سچ کہوں ایسا بالکل بھی نہیں ہوتا۔۔۔ اگر ایسا ہو بھی تو لعنت ایسی دولت پر جو عزت نہ دے سکے۔" میں نے کتنی کوشش کی تھی ناں۔۔۔ ان آنسوؤں کو روکنے کی مگر یہ چھلک ہی پڑے۔ ماہا میرے آنسو پونچھ رہی تھی۔
"امی آپ مجھے بھی کہیں دور تو نہیں بھیج دیں گی؟؟"
اس کی آواز میں وسوسے تھے' خوف تھا۔ میں اس کا مطلب سمجھ گئی تھی۔
"نہیں۔۔۔ ایسا سوچنا بھی مت۔۔۔ مجھے تمہیں یہی سبق دینا تھا کہ اپنے وطن کی مٹی سے عزیز کچھ بھی نہیں ہوتا۔۔۔ بابل کے آنگن کی چڑیوں کو اتنا دور نہیں ہونا چاہیے کہ انہیں بابل سے ملنے کے لیے صدیوں کا سفر طے کرنا پڑے۔۔۔" شام کی نارنجی سرخی آسمان کی سرحدوں سے منعکس ہو کر زمین پر پہنچ رہی تھی۔۔۔ مجھے لگا ایک پل کے لیے میں واپس ماضی کی سڑک پر پہنچ گئی ہوں۔۔۔ جہاں آج بھی درختوں کی موٹی شاخوں پر جھولے لٹک رہے ہیں اور میں ابا کے ساتھ کسی نئی کتاب پر بحث کر رہی ہوں۔ اور اماں باورچی خانے میں بیٹھی بریانی کو دم دے رہی ہیں۔۔۔ اور بریانی کی خوشبو سارے گھر میں پھیلی ہوئی ہے۔۔۔ اور میں آج جھولا ڈالے سنہری ڈائری کے تعارفی صفحے پر لکھی نظم گنگنا رہی ہوں۔۔۔

"کچھ کھٹی میٹھی یادیں ہیں
کچھ الجھی سلجھی باتیں ہیں

کچھ بابل کی یادیں ہیں
کچھ آنگن کی برساتیں ہیں۔۔۔
کچھ زرد زرد سی دوپہریں' کچھ نارنجی سی شامیں ہیں
کچھ رات کا آخری پہر بھی ہے کچھ آسمان پہ اکیلا چاند بھی۔
کچھ کھٹی میٹھی یادیں ہیں۔۔۔"